کائنات کی یکجہتی

ڈاکٹر مبشر حسن

معزز خواتین و حضرات

ڈاکٹر رفیعہ حسن نے میری بے حد عزت افزائی کی کہ مجھے خلیفہ عبدالحکیم (مرحوم) یادگاری خطبات کے سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی دعوت دی۔

میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ خلیفہ صاحب جیسے عالم کے یادگاری خطبات کے سلسلے میں کوئی خاص بات کہہ سکوں، میں نہ کوئی فلسفی ہوں اور نہ شاعر اور نہ ہی کوئی دانشور۔ خلیفہ صاحب (مرحوم) فلسفی بھی تھے اور دانشور بھی۔ مجھ سے پہلے خطبات دینے والوں میں جو بڑے بڑے نام شامل ہیں، میرا نام تو ان کے رتبے کے قریب بھی نہیں ہے۔ بنیادی طور پر میں ایک انجنیئر ہوں جو لاہور کی یونیورسٹی میں پروفیسری چھوڑ کر اپنے خیال میں ملک کی حالت صحیح کرنے کے لیے سیاست میں داخل ہوا۔ بہر حال آج آپ مجھے برداشت کرنے کی تکلیف گوارا کیجیے، میں ممنون ہوں گا۔

خلیفہ عبدالحکیم لاہوری تھے۔ 1894ء میں پیدا ہوئے۔ لاہور، علی گڑھ اور دہلی میں تعلیم پائی۔ فلسفہ میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ 1918ء میں حیدرآباد دکن میں فلسفہ پڑھانا شروع کیا۔ جلال الدین رومی پر مقالہ لکھ کر ہائیڈل برگ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ چالیس سال حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی میں درس وتدریس کا کام کیا اور 1949ء میں لاہور آکر بس گئے۔ پاکستان بننے کے بعد خلیفہ صاحب کا شمار لاہور کے بڑے دانشوروں میں ہوتا تھا۔ خلیفہ صاحب مرحوم کو شعر و ادب اور تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ مولانا روم، غالب اور اقبال کے دلدادہ تھے۔

خواتین وحضرات:

خلیفہ صاحب کی دلچسپیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے آج اپنی پیشکش کے لئے کائنات کی یکجہتی کا عنوان چنا ہے۔

آج کے زمانے میں کائنات اور اس کے وجود میں آنے کے دو بڑے تصورات ہیں، ایک سائنسی اور دوسرا مذہبی۔ خاص طور پر ایک خدا کے ماننے والوں کا۔

سائنسی نظریہ

سائنسی حقائق اور مذہبی عقیدوں کے درمیان ''یکجہتی'' کے لفظ کا استعمال کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ سائنس کی بنیاد مشاہدہ، منطق اور تجرباتی ثبوت ہوتا ہے جبکہ مذہبی عقائد کی بنیاد ایمان اور اعتقاد ہوتے ہیں، البتہ دونوں میں ایک طرح کی یکجہتی ضرور ہوتی ہے۔ سائنس دان نئی دریافت کی تلاش میں سنجیدگی سے عمر بسر کردیتے ہیں۔ اسی طرح جیسے مذہبی عالم اپنی عمر عبادت اور تحقیق میں گزارتے ہیں۔

کائنات کے علوم کے سائنس دان Cosmologists کہلاتے ہیں، وہ آج اس مقام تک پہنچ گئے ہیں کہ کائنات کے شروع ہونے کے متعلق یقینی حد تک کچھ کہہ سکیں۔

علمِ فزکس اور ستاروں سے متعلق سائنس یہ بتاتی ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب

کوئی موجودات تھیں ہی نہیں، چند ذرات تھے جو ایک خلا میں تیرتے تھے، لیکن ایک لمحہ ایسا آیا کہ ایک بہت بڑے دھماکے کے ساتھ کائنات کے پیدا ہونے کا عمل شروع ہوا جو آج بھی تیز رفتاری سے جاری ہے۔

سائنس دانوں کے مطابق کائنات کی پیدائش ایک عظیم دھماکہ سے ہوئی جو آج سے 13.8 بلین سال پہلے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کسی شے کا وجود نہیں تھا۔ ماسوائے ذروں کے، جن کا سائز شروع میں ایک نہایت ہی چھوٹا، ملی میٹر سے بھی لاکھوں لاکھوں درجے چھوٹا، لیکن انتہائی گرم اور بے حد بھاری شکل میں۔ یہ شکل کہاں سے آئی، سائنس کو نہیں معلوم، یہ کیوں ظاہر ہوگئی سائنس کو یہ بھی نہیں معلوم۔

سائنس کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہزاروں سال سے سائنس دان مادہ کی حقیقت معلوم کرنے میں مصروف رہے ہیں، پہلے تو ہمارے پاس مادہ یعنی ٹھوس چیزیں اور مائع کے ذرات تھے۔ ٹھوس چیزیں مثلاً پتھر، درخت اور مٹی وغیرہ تھے، مائع چیزیں مثلاً پانی، ہوا اور دوسری گیسیں۔

جب فزکس نے ترقی کی تو 19 ویں صدی میں چھوٹے سے چھوٹے ذرہ کو ایٹم کہا۔ اس سے چھوٹی کوئی شے نہ تھی۔ تحقیقات جاری رہیں۔ آج تک 118 ایٹم دریافت ہو چکے ہیں ہائیڈروجن، آکسیجن، سوڈیم، کلورین، سونا، لوہا، وغیرہ وغیرہ ایٹم کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ ریسرچ نے سائنس دانوں کو مزید بتایا کہ ایٹم کے اندر بھی کچھ ہوتا ہے، جس کو پروٹون اور نیوٹرون کا نام دیا گیا۔ ایٹم کا ایک نیوکلس بھی ہوتا ہے جس کے گرد الیکٹرون کا بادل ہوتا ہے۔

سائنس نے دریافت کیا کہ اگر ہائیڈروجن کے دو ایٹم لئے جائیں اور آکسیجن کا ایک، تو مجموعہ روزمرہ کے پینے والے پانی کی شکل میں مولیکیول ہوتا ہے۔ اسی طرح دھاتوں میں سوڈیم کا ایٹم اور مائع میں کلورین کا ایٹم جڑ جائیں تو سوڈیم کلورائیڈ کا

مولیکیول بن جاتا ہے، یعنی ہماری خوراک میں استعمال کیا جانے والا نمک۔

پھر ایٹم کے اندر کیا ہے اس کی حقیقت پر ریسرچ شروع ہوئی۔ سائنس کا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ اس نے ایٹم کی ریسرچ کرتے کرتے بنیادی ذرات معلوم کیے۔ اس ریسرچ کے لیے نئی ریاضیات اور نئی فزکس ایجاد ہوئی جس کا نام نیوکلیر فزکس رکھا گیا۔ مختلف قسم کے ذرات اور ان کے اندر کی گھومنے والی دنیا کے مختلف طریقوں سے ان کے متعلق دریافت کی جاسکتا ہے۔ پھر فزکس تمام تر ان ذرات کی تحقیقات میں لگ گئی اور ذرات کی قسمیں دریافت کیں۔ اور یہ پتہ چلاتے چلاتے معلوم ہوا کہ کون سے ذرات میں سے کون پرانا ہے اور کون نیا۔ کچھ سائنس دان پرانے سے پرانے ذرات کی تلاش میں مصروف رہے۔ تاکہ کائنات کی Origin کے متعلق جان سکیں۔

اب تک بنیادی ذرات کی تین بڑی قسمیں دریافت ہوئی ہیں۔

بنیادی ذرات کی تحقیق کرتے ہوئے سائنس دانوں نے کچھ ایسے ذرے دریافت کئے جو قدیم ترین تھے اور جو انتہائی ٹھوس (Dense) تھے۔ سائنسی تحقیقات نے ثابت کیا کہ قدیم ترین ذرات میں دو ذرات ایسے تھے جو اگر کسی طرح ایک خاص قسم کے ذرہ سے مل جائیں تو ایک بڑا دھماکہ ہوسکتا ہے۔ بالآخر وہ ذرہ آج سے تین سال پہلے دریافت ہوگیا۔ وہ بوسون ذرہ تھا۔ اس کا نام دریافت کرنے والے سائنس دان کے نام پر ہگز بوسون رکھا گیا۔

اس بوسون کا دوسرا قدیمی ذرات سے ملنا کائنات کو وجود میں لانے والا دھماکہ قرار دیا گیا۔ سائنس دانوں نے نتیجہ یہ نکالا کہ 13.8 بلین سال پہلے ایک عظیم دھماکہ ہوا۔ دھماکے کو Big Bang کا نام دیا گیا۔ دھماکہ کیا تھا، انتہائی گرم اور انتہائی بھاری مادہ لاوے کی طرح مرکز کی ہر جانب پھوٹ پڑا۔ اور انتہائی تیز رفتاری سے ہر سو روانہ ہوگیا۔ یہ سفر آج بھی جاری ہے۔ کائنات پھیلتی جارہی ہے اور اس کا مواد ٹھنڈا ہوتا جارہا ہے۔

شمار سے بالا گنتی کے باہر گیلیکسی وجود میں آئے۔ ہر گیلیکسی میں لاتعداد شمسی نظام پیدا ہوئے۔ ہر نظام میں ستارے سیارے بن گئے۔ اور بہت سے موجود ہیں بہت سے فنا ہو گئے۔

اپنے کرہ زمین کو لے لیجیے۔ سائز کے حساب سے دیکھیں تو کل کائنات کے حقیر ترین ذرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس میں سمندر بنے اور پہاڑ بنے، بارشیں سینکڑوں سال ہوئیں، اندر سے اب بھی ہماری زمین کے بیچ میں آگ ہی آگ ہے۔

سطح پر زمینی درجہ حرارت زندگی کو سہارا دے رہا ہے۔ زندگی کو ایک عظیم ارتقائی عمل قرار دیا جاتا ہے۔ سائنس دان بتاتے ہیں کہ سمندر میں ایک وقت ایسا آیا کہ ذرات نے خود بخود اپنے جیسے اور ذرات بنانے شروع کردیے یعنی ان میں جان پڑنی شروع ہوگئی۔ یہ زندگی کی ابتدا قرار دی گئی، جان کیسے پڑنی شروع ہوئی۔ سائنس دانوں کو اس کا علم نہیں ہے۔ پھر وقت آیا کہ ایک کے علاوہ دو زندہ ذرات کے ملنے سے بھی نئی جان پیدا ہونے لگیں۔ ایک کو نر کہا گیا اور ایک کو مادہ۔ نر اور مادہ وجود میں آگئے۔

پھر ایسا ہوا کہ نر اور مادہ نے اپنے جیسے بنانے کے علاوہ اور قسم کی جانیں بھی پیدا کرنی شروع کردیں۔ جانداروں کی نئی نئی نسلیں بننے لگیں۔ یہ میوٹیشن (Mutation) کی صلاحیت سے ہوا۔

سمندر کی بعض مخلوقات پانی سے نکل کر زمین پر آگئیں اور اُن سے رینگنے والی مخلوقات پیدا ہوگئیں۔ یہ عمل نباتات کے سلسلے میں بھی جاری رہا۔ بے شمار قسم کے درخت، فصلیں اور گھاس پیدا ہوئے۔

زمینی مخلوقات میں ایسے جانور پیدا ہوئے جو چار ٹانگوں پر بھی کھڑے ہوکر چلنے لگے۔ یہ انسان کے دادا پڑدادا تھے۔ جب ان جانوروں میں اور تخلیق (Mutation) ہوئی تو بعض کے دماغ کا سائز بڑھنے لگے۔ اس طرح انسانی نسل وجود میں آگئی۔ آج کی

سائنس اس تمام عمل کا ثبوت فراہم کرتی ہے اور پورے عمل کو کئی بلین سال لگے۔ ثبوت میں پرانی ہڈیاں اور پتھروں میں کندیاں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ سائنس دانوں کی تحقیقات بھی سینکڑوں سال پر محیط ہیں۔

مذہبی نظریہ

آج کے سائنس دانوں سے ہزاروں سال پہلے یعنی ہمیشہ سے انسان کی آبادیوں میں سمجھدار، سیانے، تحقیق پسند لوگ اپنے گرد کی دنیا کے متعلق سوچتے رہے ہیں۔ دنیا کس نے بنائی؟ کس طرح بنائی؟ کون چلا رہا ہے کے بنیادی سوالات کے جوابات کے متعلق نظریات بھی وضع کرتے رہے ہیں۔ دنیا میں کیا غلط ہے کیا صحیح ہے، کے جوابات بھی تحقیق کیے جاتے رہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب نے ان سوالات کا جواب بھی مہیا کیا ہے۔ ہندودھرم میں دنیا کی پیدائش پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلمانوں میں کائنات کا خالق اللہ کو قرار دیا گیا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:

☆...... وہی ذات حق ہر شے کا اول ہے، وہی ہر شے کا آخر ہے وہی ہر شے کا ظاہر ہے اور وہی ہر شے کا باطن ہے اور وہ ذات پاک ہر شے کا علم رکھتی ہے۔

☆...... پس تم جس طرف رخ کرو، وہیں اللہ کی ذات موجود ہے۔

☆...... ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

☆...... اس اللہ کے علاوہ (کائنات میں) اور کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔

☆...... اللہ ہی نور ہے، زمینوں اور آسمانوں کا نور

☆...... اللہ کو کم وبیش ایک سوناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہر نام اس کی کسی صفت کا اظہار کرتا ہے۔

جہاں تم ہو وہیں اللہ کی ذات موجود ہے، جہاں بھی جاؤ وہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہر شے کے باہر بھی ہے اور اندر بھی ہے۔ وہ تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے،

وہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

لازم تھا کہ اللہ کے سنجیدہ طالب اللہ کی تلاش میں نکلتے۔ لیکن تلاش کیسے کی جائے۔ کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہر طرح کے تجربات کیے گئے۔ قرآن شریف میں اللہ نے حکم دیا کہ عبادت کرو۔

بعض اس کی عبادت میں مصروف ہوگئے۔ ہفتے مہینے سال عبادت میں گزارنے شروع کیے۔ بعض نے اللہ کے نام کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ اللہ ھو، حق اللہ اور اسی طرح کے دوسرے اعمال اور نعروں کا ورد شروع کیا۔ یہ عمل دن رات سالہا سال جاری رکھا۔

بعض طالبان حق کی تلاش کے دوران ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ان کی اُمید بر آئی ان کی تلاش کامیاب ہوئی انہیں وصال ہوگیا۔ کیسے ہوا یہ ان کی بقیہ زندگی کا راز بن گیا۔ ان کی زندگی بدل گئی، رہنے کا طریقہ بدل گیا، لباس بدل گیا، یہ لوگ صوفی کہلائے۔ صوفیاء کرام نے اللہ کی تلاش کے جو طریقے اپنائے وہ طریقت کہلائی۔

بعض برگزیدہ حضرات کی تلاش کے دوران ایک مقبول ذریعہ عشق کا نمودار ہوا۔ اللہ سے عشق۔

اہل طریقت کے علاوہ انسانی مشاہدہ میں آنے والے دنیاوی حسن کے پرستاروں میں بھی ایسی نامور شخصیات پیدا ہوئیں کہ جن کی مادی محبت یعنی عشقِ مجازی کو عشق حقیقی قرار دیا گیا۔

ان میں شاید سب سے بڑا نام خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کا ہے۔ ایک مشہور غزل میں فرماتے ہیں:

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند
میں نے کل شب دیکھا کہ فرشتوں نے میخانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا
گل آدم بسر شرستند و بہ پیمانہ زدند
آدم کی مٹی کو گوندھا، اور اس سے پیمانہ بنایا

ساکنانِ حرم سرِ عفاف مُلکوت
عالم ملکوت کی پاکدامنی کے راز کے حرم کے بسنے والو
بامن راہ نشیں بادۂ مستانہ زدند
مجھ، مسافر کو مستانہ شراب دیدی
شکرِ آنرا کہ میانِ من و اُو صلح فتاد
خدا کا شکر ہے کہ مجھ میں اور اس میں صلح ہوگئی
صوفیان رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند
حوروں نے ناچتے ہوئے شکرانہ کا ساغر پیا

جنگ ہفتاد و دو مِلّت ہمہ را عذر بنہ
بہتر ملتوں کے اختلاف کو معذور سمجھ
چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند
چونکہ انہوں نے حقیقت نہ دیکھی افسانہ کی راہ چل پڑے

حافظ کو یقین ہوگیا کہ اب تک آسمانی ہدایات کے نام پر دنیا کو چلانے والے اپنے فرائض انجام دینے میں کامیاب نہیں رہے۔وہ دنیا کو صحیح طور سے چلانے کا بار نہیں اُٹھا سکے۔ پھر یہ باران کے ہاتھوں سے نکل کر حافظ کی گود میں آپڑا۔ فرماتے ہیں:

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید
آسمان، امانت کا بوجھ نہ اُٹھا سکا
قرعۂ بنامِ من دیوانہ زدند
مجھ دیوانے کے نام، انہوں نے فال کا قرعہ نکال دیا

حافظ نے انسانی زندگی گزارنے کے لیے جو راستہ تجویز کیا اور جس پر اپنی زندگی بسر کی وہ عشق کا راستہ تھا:

نقطۂ عشق دلِ گوشہ نشینان خون کرد
عشق کے نقطہ نے ، گوشہ نشینوں کے دل کو خون کر دیا

ہمچو آن خال کہ بر عارضِ جانانہ زدند
اس تلِ کی طرح، جو اُنہوں نے معشوق کے رخسار پر لگا دیا

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق
میں نے اسی وقت سے جب سے عشق کہ چشمہ سے وضو کیا
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست
ہر موجود پر چار تکبیریں پڑھ دیں

عشق کیا جائے تو کس سے، عشق تو حسن سے ہی کیا جاسکتا ہے، غیر حسن سے تو نہیں کیا جاتا۔ حافظ نے عشق اور حسن کو عالم کے وجود کی بنیاد ٹھہرایا۔ حسن کے کائنات بنانے کا تصور پیش کیا۔

در ازل پر تو حسنت ز تجلی دم زد
ازل میں تیرے حسن کے پرتو نے ظہور کا دم بھرا
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد
عشق پیدا ہوا اور اس نے سارے عالم میں آگ لگا دی
جلوۂ کرد رخت دید ملک عشق نداشت
اس کے رخ نے ظہور کیا، دیکھا، فرشتہ کو عشق نہ ہوا
عین آتش شد ازیں غیرت و بر آدم زد
اس غیرت سے بالکل آگ بن گیا اور آدم میں لگا دی

مدعی خواست کہ آید بتماشاگہِ راز
مدعی نے چاہا کہ راز کی تماشا گاہ تک آجائے
دست غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد
غیبی ہاتھ آیا اور نا محرم کے سینہ پر مارا

عشق کے جھوٹے دعوے کرنے والوں نے بھی اپنی جگہ بنانے کی کوشش کی، لیکن دست غیب نے ان کا راستہ بند کردیا۔ حافظ فرماتے ہیں کہ دست غیب نامحرموں یعنی بوالہوسوں اور نقالوں کے سینہ پر رسید ہوا۔ انہیں دھتکار دیا گیا، اس طرح وہ علم اور فضل کے رازوں سے واقف نہ ہوسکے:

نظرے کرد کہ بیند بجہاں صورتِ خویش
اس نے سوچا کہ دنیا میں اپنی صورت دیکھے
خیمہ در آب و گل مزرعۂ آدم زد
آدم کی کھیت کے پانی اور مٹی میں خیمہ لگا لیا
خواست تا جلوہ کند صورت خود از محبوب
محبوب نے چاہا کہ اپنی صورت کا جلوہ کرے
خیمہ در معرکۂ آب و گل آدم زد
آدم کے پانی اور مٹی کے میدان میں خمہ لگا لے

بات پھر یہاں آکر ٹھہری کہ حسن کی وجہ سے عشق پیدا ہوا جس نے سارے عالم میں آگ لگا دی یعنی کہ عالم کو زندگی بخشی۔

اردو کے عظیم شاعر اسد اللہ غالب نے بھی حافظ شیرازی کے اٹھائے ہوئے مسائل پر خاصی روشنی ڈالی، فرماتے ہیں۔ غالب بھی کائنات کو سمجھنے کی فکر میں بہت گہرے چلے گئے تھے:

در نطق مسیحا دم، از خصم چہ باک است
میری قوت گویائی میں مسیحا کے سانس کا سا اعجاز ہے
در ناز، ز خود می رمی، از غیر چہ بیم است
مجھے دشمن کا کیا خوف تو ناز میں اپنے سے بھی کھو جاتا ہے، تجھے رقیب کا کیا ڈر

میرے اشعار کے مضامین میرے نہیں ہیں، وہ میری فکر و نظر کی پیداوار نہیں ہے۔ یہ مضامین تو غیب سے اُترتے ہیں:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ، نوائے سروش ہے

لکھتے وقت میرے قلم سے جو آواز نکلتی ہے دراصل فرشتہ غیبی کی آواز ہے۔

جہاں غالب اس نتیجہ پر پہنچے کہ قطرہ سے دریا کو پہچانا جاسکتا ہے اور انسان میں کائنات کے راز پنہاں ہیں اُن کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ ''خاموشی ہی سے نکلے جو بات چاہیے'' جو بھی حقیقت دریافت کرو اس کا اعلان نہ کرو، اس کا نعرہ نہ لگاؤ، یہ تو ہر ایک کی انفرادی کھوج ہے۔ غالب کو منصور کی جانب سے انا الحق کا اعلان پسند نہیں آیا:

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

گو ہم قطرہ ہیں لیکن ہم میں سمندر جتنا علم سمویا ہوا ہے۔ ہم اپنے رہبر خود ہیں۔ ہمیں دوسروں پر اپنا مرتبہ جتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ منصور نے انا الحق کا اعلان کرکے اپنے ظرف کے چھوٹے ہونے کا ،اوچھے پن کا ثبوت دیا تھا۔ ہمیں اس کی تقلید منظور نہیں ہے۔ منصور کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ منصور کا دعویٰ بلا ضرورت تھا۔ دعوے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اپنے دعوے میں کامل یقین نہیں تھا۔ اسے حمایت کی ضرورت تھی۔ پھر بھی غالب منصور کو مجرم نہیں گردانتے، فرماتے ہیں:

در پردۂ رسوائی منصور نوائیست
رازت نہ شنودیم ازیں خلوتیاں ہیچ

اسد اللہ خان غالب پر حافظ شیرازی کی طرح ایک واقعہ گزرا جس نے ان کی سوچ کا رُخ بدل دیا، اپنی غزل میں لکھتے ہیں۔

گزشتہ رات ایک واقعہ گزرا۔ ایسا لگا جیسے میں نے عشاء کی نماز ادا کرنے کا قصد کیا ہوا ہے۔ میرے کندھے پر ایک چادر ہے اور چادر کا ایک تار میرے کان میں نالہ

کر رہا ہے۔ اس کی فریاد تھی:

کای خس شعلۂ آواز موذن زنہار
از پی گرمیِ ہنگامہ منہ دل بخروش

اے موذن کی آواز کے شعلہ سے جل جانے والے تنکے ! ہوش کر، اژدہام کے ساتھ چلنے کے شوق میں ایسے شور پر دل کو مائل نہ کرنا۔ جو ہر کوئی کہتا ہے اور سمجھتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ درست ہو۔

تکیہ بر عالم و عابد نتواں کرد کہ ہست
آں یکی بیہدہ گو، این دگری بیہدہ کوش

عالم اور عابد پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عالم فضول گوئی کرتا ہے اور عابد فضول عمل میں محو ہے۔ یعنی عالم کا فضول وعظ اور عابد کی عبادت دونوں بیکار ہیں۔

جادہ بگزار و پریشان رو و در راہ روی
بفریب می و معشوق مشو رہزنِ ہوش

اپنی پرانی ڈگر کو چھوڑ اور آزادانہ چل اور کہیں یہ نہ ہو کہ چلنے میں شراب اور معشوق کی فریب کاریوں میں اپنے ہوش کھودے کہ تو شراب پینے اور عشق کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالے اور عقل و ہوش کا راستہ ترک کردے۔

بوسہ گر خود بود آساں، مبر از شاہد مست
بادہ گر خود بود ارزاں، مخر از بادہ فروش

بوسہ کا ملنا آسان ہی کیوں نہ ہو پھر بھی معشوق سے قبول نہ کر اور شراب ارزاں بھی کیوں نہ ہوجائے بادہ فروش سے مت لے۔ معشوق کے بوسہ کے لیے تو جان بھی دی جاسکتی ہے۔

ایں نشید است کہ طاعت مکن و زہد مورز
ایں نہیب است کہ رسوا مشو و بادہ منوش

میرے نغمہ کا پیغام ہے کہ آزاد ہو جا۔ اپنے فیصلے خود کر۔ زہد چھوڑ دے، زہد و تقویٰ کی رسومات سے چھٹکارا حاصل کر۔ رسوائی سے بچنے کے وعظ اور شراب نہ پینے کی نصیحتیں محض ڈرانے والی باتیں ہیں۔ ان کا خیال نہ کر۔ غیب سے آواز سن کر غالب حیران ہو جاتے ہیں۔ مجھے یہ پیغام کہاں سے مل رہا تھا، یہ کس کا پیغام تھا۔ میں تو عبادت کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ پھر میرا دِل اس فرشتہ غیبی کی خوشخبری کی دولت سے کیسے مالا مال ہوا۔

گفتم از رنگ بہ بیرنگی اگر آرم رو
رو دگر چوں سپرم، گفت ز خود دیدہ بپوش

میں نے پیغام کے جواب میں کہا کہ اگر میں رنگ سے بیرنگی کا رخ کرنا چاہوں تو راستہ کیسے چلوں، جواب ملا اپنے آپ سے آنکھیں بند کر لے۔ دنیا میں نیکی بدی، غلط صحیح، حق ناحق، گناہ ثواب کی اقدار نے اپنا رنگ جمایا ہوا ہے۔ میں نے فرشتہ غیبی سے کہا کہ میں اس جمے ہوئے رنگ کے نظام کو بیرنگی کے نظام کی طرف لے جاؤں تو کون سا راستہ اختیار کروں۔ جواب ملا۔ بھول جا کہ تو بھی کچھ ہے۔

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغِ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اگر اپنی حقیقت معلوم کرنی ہے تو اپنی خودی کو ختم کر دے۔ جیسے گھاس پھونس یہی خدمت سرانجام دیتے ہیں کہ خود جل کر دوسروں کے لیے حرارت پیدا کریں۔

جستم از جای ولی ہوش و خرد پیشا پیش
رفتم از خویش ولی علم و عمل دوشا دوش

میں جست لگا کر چل پڑا۔ ہوش و خرد مجھے خیر باد کہہ گئے۔ میں نے ایک نئی ہیئت اختیار کر لی۔ میں کہیں جا رہا تھا۔ اردگرد کا مجھے پورا علم تھا۔ میں چلتا گیا۔

تا بہ میکہ بیک وقت در آنجا دیدم
بادہ پیمودنِ امروز و بخوں خفتنِ دوش

یہاں تک کہ ایک ایسی بزم میں پہنچا کہ میں نے دیکھا کہ وہاں بیک وقت گزشتہ کل کی آلائشیں اور آج کی فرمائشیں (ماضی کی قدیم روایات اور آج کے ترقی کے تقاضے) دونوں موجود تھیں۔ ماضی اور حال ایک دوسرے میں سموئے ہوئے تھے۔

خانقاہ از روش زہد و ورع ، قلزم نور
بزم گاہ از اثر بوسہ و می، چشمۂ نوش

خانقاہ کے مکینوں کی عبادت اور پارسائی کے ساتھ ساتھ اور رندوں کے بوس و کنار اور مے نوشی کے باعث پوری محفل شہرِ نور بنی ہوئی تھی۔

شاہد بزم درآن بزم کہ خلوت گہ اوست
فتنہ بر خویش و بر آفاق کشودہ آغوش

معشوق بزم کے مطابق یہ کوئی مجلس عام نہ تھی، یہ اس کی خلوت گاہ تھی جس نے اپنی آغوش میں اپنا حسن اور پورے آفاق کا فتنہ لیا ہوا تھا۔ جو حُسن اور غیر حُسن کی یکجائی سے بجی ہوئی تھی۔

ہمچو خرشید کزو ذرہ درخشاں گردد
خوردہ ساقی می و گردیدہ جہانی مدہوش

جس طرح سورج بلا امتیاز ہر ذرہ کو چمکا دیتا ہے۔ اسی طرح جان محفل خود بھی بیخود تھے اور پورے جہاں کو بدمست کیے ہوئے تھے۔ ان کے جلوہ حُسن سے نیکی و بدی، ایمان اور کفر برابر کے سرشار تھے۔ گوناگوں گہرائیوں میں سب کچھ عیاں تھا۔ سمجھ، عقل اور علم کے سب راز افشا ہو گئے تھے۔

رنگہا جستہ ز بیرنگی دویدن نہ بچشم
راز ہا گفتہ خموشی و شنیدن نہ بگوش

اس مقام پر بیرنگی سے ایک عالمِ رنگ اُبھر رہا تھا اور یہ عالم بیرنگی آنکھوں سے

دیکھنے کا نہیں تھا۔ خموشی راز کہہ رہی تھی اور یہ راز کانوں سے سننے کی چیز نہ تھی۔ ساری بات سمجھنے کی تھی۔ نہ دیکھنے کی تھی، نہ سننے نہ کہنے کی۔ تضادات کے اختلاط سے ایک نقشہ اُبھر رہا تھا۔ ایک راز افشا ہو رہا تھا۔ پورے عالم کے تضادات ایک رنگ، ایک حقیقت کی شکل میں رونما ہو رہے تھے۔

قطرہ نا ریختہ از طرف خم و رنگ ہزار
یک خم رنگ و سرش بستہ و پیوستہ بجوش

خم سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا تھا اور ہزار رنگ رونما تھے۔ ایک خم رنگ تھا اور اس کا منہ بند تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح جوش سے لبریز تھا۔ مجھ پر تو سب کچھ عیاں ہوگیا۔ میرے سامنے بکھرے ہوئے ہزار رنگ یک رنگی میں نمودار ہوگئے۔ لیکن معشوق محفل، سراپا حُسن کا منہ بند تھا۔ اس کی طرف سے نہ کوئی لفظ تھا نہ کوئی اشارہ۔ لیکن وہ جوش سے اُبل رہا تھا۔ حقیقت ایزدی بے چین تھی کہ اپنے راز کھول دے۔

ہمہ محسوس بود ایزد و عالم معقول
غالب ایں زمزمہ آواز نخواہد خاموش

مجھ پر عیاں ہوا کہ ایزد بھی محسوسات میں سے ہے اور عالم بھی احاطہ عقل میں ہے۔ لیکن اے غالب! یہ زمزمہ، راز، آواز میں نہیں سما سکتا اس لیے خاموش ہوجا۔

غالب پر عیاں ہوگیا تھا کہ ایزد بھی محسوسات میں سے ہے فرماتے ہیں:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے رُخ سے ظہور کی

اللہ کا نور ظاہر کرنا مقصود تھا۔ سوال پیدا ہوا کہ کس طرح اس کا ظہور کیا جائے۔ غالب فرماتے ہیں کہ ظہور کی قسمت کھل گئی جب تیرا رُخ ظہور کے لیے چنا گیا۔

بڑی (پہنچی ہوئی) ہستیوں کو محبوب کی شکل میں قرآن بھی نظر آیا ہے۔ حافظ

شیرازی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ز مُصحفِ رُخ دلدار آیتے بر خواں
معشوق کے رُخ کے قران سے کوئی آیت یاد کرلے
کہ آں بیاں بیان مقاماتِ کشف وکشاف ست
اس لیے کہ کشف وکشاف کے مقام کا یہی بیان ہے

محبوب سے وصال سب ہی عاشقوں کی تمناؤں کا محور رہا ہے۔ صوفیا کرام کا وصال کشف کی صورت میں ہوجاتا تھا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا راز بن جاتا ہے۔ لیکن بہت سے حق کے متلاشیوں کے لیے جنسی وصال کی بھی بہت اہمیت تھی۔

حافظ شیرازی نے تو برملا ایک غزل کی ''ہوس است'' کو ایک غزل کی رءلیف بنایا ہے۔ تین اشعار ملاحظہ ہوں:

حال دل با تو گفتنم ہوس ست
مجھے تجھ سے حالِ دل کہنے کی ہوس ہے
خبر دل شُفتنم ہوس ست
مجھے دل کا حال سنانے کی ہوس ہے
شب قدرے چنیں عزیز و شریف
ایسی عزیز اور شریف شب قدر میں
با تو تا روز خفتنم ہوس ست
مجھے دن نکلنے تک ترے ساتھ سونے کی ہوس ہے
وہ کہ در دانہ چنیں تازک
واہ! اس قدر نازک موتی
در شب تار سفتنم ہوس ست
مجھے اس کو تاریک رات میں پرونے کی ہوس ہے

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور غزل میں فرماتے ہیں:

تعالیٰ اللہ چہ دولت دارم امشب
اللہ اکبر، آج کی رات مجھے کیا دولت ملی ہے
کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب
کہ آج کی رات اچانک میرا معشوق آ گیا
چو دیدم روئے خوبش سجدہ کردم
جب میں نے اس کا حسین چہرہ دیکھا تو سجدہ کیا
بحمداللہ نکو کردارم امشب
بحمد اللہ ، میں آج کی رات خوب گزاروں گا
نہال صبرم از وصلش بر آورد
میری زندگی کے پودے نے اس کے اصل کا پھل دیا
ز بختِ خویش برخوردارم امشب
میں آج کی رات اپنے نصیبہ سے بہرہ ور ہوں

کشد نقش انا الحق بر زمیں خوں
خون زمین پر انا الحق کا نقش کھینچ دے گا
چو منصور را کشی بردارم امشب
اگر آج رات، منصور کی طرح تو مجھے سولی پر چڑھائے گا

برات لیلۃ القدری بدستم
لیلۃ القدر کا ثواب مجھے
رسید از طالع بیدارم امشب
آج کی رات میرے جاگتے نصیبہ کی وجہ سے مل گیا

خواتین وحضرات!

انسان ہمیشہ سے جو دیکھے، سُنے، پائے یا محسوس کرے کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے میں مصروف رہا ہے۔ سائنس دان مادی اشیاء کی حقیقتوں کے متعلق دریافتوں

میں مصروف رہے۔ ہر شے کو ناپا، تولا یا سائنسی آلات سے اس کا مشاہدہ کیا۔ جو مشاہدہ میں آیا منطق کے ذریعہ اس کے آپس میں تعلق کے مفروضے بنائے۔ اس طرح تھیوری بنائی اس سے نتائج نکالے۔ نتائج کو لیبارٹریوں میں ٹیسٹ کیا۔ صحیح ثابت ہونے پر اسے سائنسی علم قرار دیا۔ چھوٹے سے چھوٹے اور سب سے قدیم ذرات کے علم نے انہیں بتایا کہ ایک خاص ذرہ جب دو اور ذرات سے مل جائے تو نتیجہ میں دھماکہ ہوسکتا ہے۔ جب انہوں نے لیبارٹری میں نہایت ہی چھوٹے پیمانے پر یہ دھماکہ کرلیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ ماضی میں ایسے ہی دھماکے سے ہمارے مشاہدہ میں آنے والی کائنات وجود میں آئی تھی۔ وجود میں آنے کو 13.8 بلین سال گزرے ہیں۔

سائنس دانوں سے ہزاروں سال پہلے گہری سوچ رکھنے والے برگزیدہ لوگوں نے کائنات کے وجود میں آنے کے متعلق نظریات پیش کیے۔ خاص طور پر ایک خدا کو ماننے والے مذاہب نے اپنے خدا کو ہی کائنات کا خالق قرار دیا۔ جیسا پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔ مسلمانوں کی متبرک کتابوں میں نہایت ہی تفصیل سے خدا کی صفات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کی تلاش میں عبادت کرنے والے حضرات کے ذہن میں روحانی چراغ روشن ہوگئے اور انہوں نے صوفیانہ زندگی اپنا لی۔ بعض گہری سوچ رکھنے والوں کے ذہن میں حسن اور عشق میں خدائی صفات نظر آئیں۔ ایزد کو بھی عالم محسوسات میں شامل کرلیا گیا۔ خدا سے رشتے کا ایک اور باب کھل گیا۔

کائنات کے متعلق غالب حیران رہ گئے۔ فرمایا:

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس باب میں